خطاب: سید عطاء المحسن بخاری
ناقل: مھدی معاویہ

کمیونٹی ہال گلاسگو (برطانیہ)
۱۶ نومبر ۰۵

اسلام اور جمہوریت

الحمد لله و کفیٰ والصلوة و السلام علیٰ خاتم الانبیاء ۔ و علیٰ آلہ و ازواجہ و اصحابہ الاتقیاء الاصفیاء ۔ الذین هم خلاصتہ العرب العرباء و خیر الخلائق بعد الانبیاء ۔ و هم کالنجوم فی السماء للا هتداء والاقتداء ۔ و هم مفاتیح الرحمتہ و مصابیح الغرر۔

اعوذ بالله من الشطین الرجیم ۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم

قل من رب السموات والارض، قل الله! قل افاتخذ تم من دونہ اولیا؛! قل الله خالق کل شی ، وهواالواحد القهار صدق الله العظیم

صدر محترم: بزرگان گرامی، برادران عزیز! اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے کہ آپ ہم بے نواؤں، فقیروں کی مختصر سی آواز پر یہاں تشریف لائے۔ آپ کا آنا مبارک! آپ کو یہاں آنے کی جو تکلیف دی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ کرے کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہو سکوں۔

سب سے پہلے میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں کہ (DEMOCRACY) جسکا ہم نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جمہوریت، اور عربوں نے ترجمہ کیا، ("مقراطیہ") جو لبنی اصل کے زیادہ قریب ہے۔ لفظ جمہوریت کو DEMOCRACY کا ترجمہ قرار دیکر شعوری طور پر اصطلاحی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ڈیمو کریسی کی تاریخ کیا ہے؟ اسکا بانی کون ہے۔ کس سرزمین سے ہمیں یہ بے بہار پھل ملا؟ یہ سوالات سیاسیات کے ایک عام طالب علم کے ذہن میں اُبھرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ سو ستر سال پہلے یونان میں افلاطون نامی ایک ایسے شخص نے نظام ریاست کے طور پر اس کی تدوین کی جو خالق کائنات، اللہ کو نہیں مانتا بلکہ عقول عشرہ (دس عقلوں) کو مانتا ہے۔ اور ان دس عقلوں میں سے عقل اول کو مدّبر الامور کہتا ہے۔ یعنی عقل اول تدبیر کائنات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے باقی تمام معاملات میں نو عقلوں کو دخل ہے۔

مختصراً اس دور کے دیو بندی، بریلوی، اہل حدیث اور سابقہ دور میں فقہی بنیاد پر صحیح اصولی اختلاف رکھنے والے ہمارے اسلاف حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی اور دیگر امت کے تمام طبقات جو مذہبی حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں علم اور دیانت کی بنیاد پر سب اس بات پر متفق ہیں کہ افلاطون ایک مشرک تھا۔ جو اللہ رب العزت کو خالق کائنات نہیں مانتا تھا۔ بلکہ خالق کائنات عقلوں کو کہتا تھا۔ اور باقی نو عقل اوّل کو کائنات کے امور کی تدبیر کیلئے تسلیم کرتا تھا۔

پھر اس کے بعد زمانہ گزرتا گیا۔ مسٹر آبراہم لنکن قائد تثلیث، جوایک میں تین، تین میں ایک کے فلسفۂ غتر بود اور اسکی بنیاد پر اپنا تشخص، اپنا وجود اور اپنی ملت کی عمارت قائم کرنے والا لوگوں کا سربراہ تھا۔ اس نے اس میں ترمیم کی کہ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام پر"

(GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE)

اور آج جہاں آپ لوگ تشریف فرما ہیں اور میں بھی مسافر کی حیثیت سے اپنی سی صورت لئے آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ اس دیس کے حکمرانوں نے ۱۲۲۸ء سے آج تک ۸۰۰ سو برس کی کمائی سے اس نظریہ کو موجودہ وضع قطع (SHAPE) بخشی۔ جسے آج سے ایک سو برس پیشتر "لارڈ کرزن" نامی مشرکِ اعظم اور ہمارے قاتل نے ہندوستان میں متعارف (INTRODUCE) کرایا اور سب سے پہلے اس دنیا میں تعارف اگر ہوا ہے تو وہ سرزمین ہند ہے۔ مکہ، مدینہ، طائف، نجران اور اس کے بعد خلفائے راشدین، خلفاء بنو امیہ، خلفائے بنو عباس، فاطمیین مصر وغیرہ وغیرہ، تمام تر اختلافات اور تضادات کے باوجود کسی بھی عہد میں، مسلمانوں کی کسی بھی سلطنت میں، مسلمانوں کے نظام ریاست کے ہوتے ہوئے (وہ جیسا کیسا تھا یہ بحث الگ ہے) جمہوریت نام کی کوئی چیز متعارف نہیں ہوئی یہ اس کی مختصر تاریخ ہے۔

مجھ سے زیادہ جاننے والے لوگ یہاں موجود ہوں گے۔ میں ایک طالب علم ہوں۔ کوئی آفاقی شخصیت بن کے نہیں آیا، دین کا ایک نوکر، اللہ کے دین، کا ایک چاکر، بے وسائل و کم ہمت آدمی ہوں۔ اپنی سی حیثیت سے آپ کی خدمت میں اپنی بات کہنے حاضر ہوا ہوں۔ ساغر صدیقی کا شعر یاد آ گیا۔

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

یہ ایک دستک ہے، ہلکی پھلکی سی، قبول ہو تو سبحان اللہ، رد کر دیں تو الحمدللہ۔

ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پرواہ

ستائش اور تنقید دونوں سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو خود اختیاری طور پر اللہ کے سپرد کرنے والا آدمی ہی دین کا کام کر سکتا ہے۔

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ ڈیمو کریسی کے چار بنیادی اصول ہیں۔ اس کے ماسوا کچھ نہیں مختصراً یہ کہ

(۱) عوام سرچشمۂ اقتدار ہیں۔

(۲) ہر آدمی کا ایک ووٹ ہے۔

(۳) کچھ لو اور کچھ دو۔

(۴) اکثریت جو کہے وہ حکومت مانے (پاک پلید، بہتر بدتر، صحیح غلط، جائز ناجائز کی کوئی تمیز نہیں)

اب آیئے دیکھئے اسلام کیا کہتا ہے؟

(۱) پہلی بات کہ سرچشمۂ اقتدار عوام ہیں یا کوئی اور۔۔۔؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس برس کی نورانی زندگی، سیرت طیبہ و مقدسہ، اس کی ساری کدو کاوش، ساری محنت، ساری جاں سپاری، وقت، توانائیاں، (ENERGIES) سب اسی ایک راستے میں کھپادیں کہ۔

O ان الحکم الا لله امران لا تعبدوا الا اياه ذالک الدين القيم ولکن اکثر الناس لا يعلمون

حکومت نہیں ہے کسی کی۔ سوائے اللہ کے۔ اس نے فرمایا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف۔ ۴۰)

O ذالک الدين القيم فلا تظلموا فيهن انفسکم و قاتلوا المشرکين کافةً کما يقاتلو انکم کافة O واعلموا ان الله مع المتقين:

یہی ہے سیدھا دین۔ سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں اور جان لو اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے (التوبہ۔ ۳۵)

حکم، حاکمیت، اقتدار کی قوت اور اس کا استحقاق نہیں ہے مگر اللہ کیلئے۔۔۔

فالحکم لله العلی الکبير

حق حاکمیت صرف اللہ کیلئے ہے۔

لا الہ الا اللہ کا معنی اور مفہوم بھی یہی ہے۔ اور

الا له الخلق والامر-------

خبردار مخلوق بھی اسی کی، حکم بھی اسی کا، مقتدر اعلیٰ اور سرچشمۂ اقتدار بھی اللہ ہی ہے۔ جسے آج کی اصطلاح میں (SOVEREIGN) کہا جاتا ہے۔ اسلام اور ڈیمو کریسی کا پہلا تضاد یہی ہے کہ اسلام اللہ کو مقتدر اعلیٰ کہتا ہے اور سرچشمۂ اقتدار بھی اسی کی ذات کو کہتا ہے۔ جبکہ ڈیمو کریسی میں سرچشمۂ اقتدار عوام ہیں اور یہ شرک ہے۔

اعبدونی-------۔ اب عبادت کا مطلب صرف سجدہ ریزی ہی نہیں۔ خلوت کدہ میں بیٹھ کر تسبیح کے دانوں پہ

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله، والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم

پڑھ لینا، محض یہ بات کافی نہیں بلکہ زندگی کے تمام امور میں آپکو اپنی مرضی ختم کرنا ہے۔ اور اسکی مرضی کو قبول کرنا ہے۔ یہ عبادت ہے۔۔۔۔

امران لا تعبدوا الا اياه

اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔

ذلک الدين القيم

یہی دین حق، دین صحیح اور دین قیم ہے۔

ولکن اکثرالناس لا يعلمون

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں جہاں اللہ کے سرچشمۂ اقتدار ہونے کا تصور ہے وہیں چوتھی بات اکثریت کی تردید بھی ہے۔

اکثر الناس لا یعلمون
اس حقیقت عظمیٰ کو اکثر انسان نہیں جانتے۔
سارے قرآن کو پڑھ جایئے اللہ آپکو توفیق دے اور ہم لوگوں کو آپ کی خدمت کی توفیق دے کہ ہم آپکو کتاب مجید سمجھا سکیں بطور استاد کے نہ سہی بطور خادم کے سہی۔۔۔۔ زہے نصیب خدا وہ دن تو کرے۔
اکثر الناس لا یعلمون اکثر الناس لا یشکرون اکثرالناس لا یومنون۔۔۔ اکثر ھم لا یعقلون
یہ قرآن کہتا ہے۔ ہم مولوی لوگ نہیں کہتے۔ کہ اکثریت بے عقل ہے۔ بے علم ہے اکثریت بے ایمان ہے۔ اکثریت ناشکری ہے۔

آپکو تکلیف تو ہو گی۔ مگر غور فرمائیں کہ چار ارب اور کچھ کروڑ کی آبادی میں کتنے لوگ عالم ہیں اور کتنے ایماندار ہیں ؟۔ اور پھر ایک ارب کچھ کروڑ مسلمانوں میں کتنے عالم ہیں، کتنے شکر گزار ہیں۔ کتنے مومنین کاملین ہیں۔ بات پھیل نہ جائے جمہوریت کا تیسرا اصول، کچھ لیجئے اور کچھ دیجئے ہے۔ اسلام کچھ لینے اور دینے کا قائل ہی نہیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکاتیب گرامی، رؤساء وامراء کے نام اور عرب کے اڑوس پڑوس میں قائم دیرینہ حکومتوں کے سر براہوں کو لکھے۔ ان میں تین باتیں ہیں (۱) اسلام قبول کر لو سلامتی پاؤ گے۔ (۲) وگرنہ ہمیں سپر پاور تسلیم کر لو اور جزیہ ادا کرو (۳) نہیں تو تلوار لے آؤ میدان میں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائیگا۔ میں بڑے ادب سے پوچھتا ہوں کہ ان تین باتوں میں جمہوریت کی کونسی بات تھی؟۔۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔ ایک بے نوا اور وسائل کے اعتبار سے روما، فارس، یونان، مصر کے مقابلہ میں نہتی ذات گرامی۔ وہ شاہان عالم کو اس انداز میں مخاطب ہو اور یوں حکم فرمائے "اسلام قبول کرلو اگر سلامتی چاہتے ہو، اور سلامتی چاہتے ہو تو ہماری اطاعت قبول کرو۔ اور اگر تم سلامتی نہیں چاہتے۔ تو تلوار کھول کے میدان میں آجاؤ۔

چوتھی بات۔ ایک آدمی کا ایک ووٹ۔۔۔۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں تنہائی کی زندگی کو کتابوں میں پڑھا کہ یکہ و تنہا۔ دس چچے اور انکی اولاد، پھوپھیاں اور انکی اولاد، ننھیال، ددھیال سب موجود مگر سرور دو عالم فخر عالم شفیع المذنبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکہ و تنہا پورے مکہ میں، طائف، نجران میں اللہ کی احدیت وصمدیت کا اقرار کرانے کیلئے سرد جنگ فرماتے ہیں۔۔۔۔ تب کتنے ووٹ تھے حضور ﷺ کیسا تھ۔۔۔؟ کیا وہ آدمی نہیں تھے۔؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے ابو جہل جسکا لقب "ابوالحکم"۔ دانش ور، حکمتوں والا، دانائیوں والا، پیکر حکمت و دانش، صاحبِ شعور، لیکن اسکے ضدی اور ڈھیٹ ہونے کی وجہ سے، اسکے خبث باطن سے پھیلنے والی عفونت کی وجہ سے۔ اسکے ضمیر و خمیر میں دبی ہوئی جہالت کی چنگاری کی وجہ سے، جو شعلۂ جوالہ بن کر نکلی۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو جہالت والا کہا کہ اصل جہالت والا یہ ہے۔ جو اس علاقے میں اپنی جہالت کی تاریکی سامنے لا کر دین کے نور کو پھیلنے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے بھی اس کی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ بچوں میں سیدنا علی نے اسلام قبول کیا تو اس کی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی، خواتین میں سیدہ

خدیجۃ الکبریٰ صلوات اللہ علیہا نے اسلام کی دولت سے اپنے دامن کو مالا مال کیا تو انہوں نے بھی اس کی رائے کو کوئی وقعت نہیں دی۔ یہ تینتالیس پنتالیس اصحاب ہوئے تو مکہ سے ہجرت کا حکم ہو گیا حبشہ گئے مدینہ کی طرف گئے لیکن کسی کافر، کسی وڈیرے، کسی سردار، یا اپنے اصحاب کا ووٹ کی بنیاد پر کسی بیرونی دباؤ کے ماتحت کوئی ووٹ کی پاور، اکثریت اور قلت کی بنیاد پر کسی قسم کا کوئی دباؤ قبول فرمایا۔۔۔؟ کسی لمحے بھی اصولوں پر سودے بازی (BARGAINING) ہوئی؟ ابولہب نے تنگ آ کر وہ خوبصورت چکمہ دیا کہ دولت، عورت، حکومت تینوں چیزیں لے لو مگر لا الہ الا اللہ کہنا چھوڑ دو۔ عصر حاضر کی جمہوریت سے زیادہ خوبصورت جمہوریت وہاں موجود تھی مگر نبی علیہ السلام نے لا الہ الا اللہ کے مقابلے میں تمام پیشکشیں ٹھکرا دیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ کے لوگ ان پڑھ تھے یہ روشنی کا دور ہے اٹامک انرجی کا دور ہے وہ لوگ معاذ اللہ گدھے تھے۔۔۔۔۔۔؟ ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جمہوریت کا عظیم اصول آزمایا اور طشتری میں سجا کے اقتدار پیش کیا کہ جناب یہ لے لیجئے۔ آپ جوان عورت قبول کیجئے آپکو دولت و سرمائے کی ضرورت ہے تو لے لیجئے۔ جس آدمی کو اقتدار مل جائے، دولت مل جائے۔ اور اگر عورت مل گئی تو گویا اسکا پورا قبیلہ مل گیا۔ اس زمانے کے رواج، سماجی اصول اور ضابطے کے تحت جو عورت کسی کے ہاں بیاہی جاتی تھی اسکا پورا قبیلہ دست و بازو اور نگہبان و مددگار بن جایا کرتا تھا۔ مگر نبی علیہ السلام کو اتنی طاقتیں بیک وقت مل رہی تھیں۔ جمہوری نقطۂ نظر (DEMOCRATIC POINT OF VIEW) کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا سنہری چانس مل رہا تھا کہ اقتدار قبضے میں ہو اپنے قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہیں کچھ ساتھی اور ہمراہ ہیں ایک قبیلہ اور مل جائے تو فوج بنتی ہے۔ طاقت بڑھتی ہے۔ جمہوریت کیلئے وقتی طور پر (FOR THE TIME BEING) کیسا خوبصورت لفظ ہے۔ مگر اسکا پس منظر خوفناک اور زہرناک ہے۔ اور پنجاب میں لوگ ہمیں کہتے ہیں "مولوی جی ہتھ ہولا رکھو موسم ٹھیک نئیں ہیگا" مولوی جی، ہاتھ ہلکا رکھیں موسم ٹھیک نہیں۔ ملاحظہ فرمائیے "مولانا وقت کا تقاضا ہے، نظریۂ ضرورت ہے" مگر میں چیلنج کرتا ہوں کہ اسلام میں نظریۂ ضرورت کی کوئی گنجائش نہیں اگر نظریۂ ضرورت کی گنجائش ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پیشکش سے بھرپور فائدہ اٹھاتے۔ اور مشرکین مکہ کی جمہوری اکثریت کو وقتی طور پر ساتھ ملا کر اقتدار حاصل کر لیتے۔ چونکہ نبی علیہ السلام کی جنت محض ذاتی اقتدار کی جنگ نہیں تھی بلکہ دین اسلام کے کامل غلبہ و تسلط کی تھی اس لئے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور آپ نے فرما دیا کہ یا تو میں اس راستے میں مر جاؤں گا یا اللہ کی حاکمیت کا آفتاب طلوع ہو کر رہیگا۔ اپنی حاکمیت کا نہیں فرمایا۔ تاریخ و سیرت کی پوری کتابیں پڑھ جائیے۔ البدایہ طبری، ابن خلکان، ابن سعد وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ یہ نہیں ملیگا۔ جتنا یہ انبار ہے کتب قدیمہ کا کھنگال ڈالئیے کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں اپنی حاکمیت قائم کروں گا۔ یا مر جاؤں گا۔ فرمایا یا میں مر جاؤں گا یا اللہ کی حاکمیت کا آفتاب طلوع ہو کر رہیگا۔ تاریخ اور تقابل۔۔۔ دو باتیں واضح ہو گئیں۔

تیسری بات۔۔۔ "ہم اور ہمارا دور"۔۔۔۔ ہم ملا لوگ ۱۸۵۷ء سے پہلے اے کلاس میں ہوتے تھے۔ ہم سی ایس پی (C S P) کلاس میں تھے۔ انگریز آیا ہم نے مزاحمت کی۔ ہم نے سیلوٹ نہیں کیا۔ اور اس جرم ایک دن

میں پندرہ پندرہ سو مولوی قتل ہوئے۔ کئی کئی دن اور مہینے درختوں کیساتھ علماء کی لاشیں لٹکتی رہیں۔ جو لوگ موقع پرست تھے انہوں نے مصالحت کی۔ جاگیریں لیں۔ ہزار، ہزار مربع دو دو ہزار مربعے وصول کئے۔ غلام احمد کادیانی کا خاندان ہو، سادات کرام ہوں، گوجر ہوں، جاٹ ہوں، ہندو ہوں، سکھ ہوں یا پیران عظام، ان طبقات میں سے کچھ مولوی بھی اس دور کے جو استقامت سے عاری تھے نہ ٹھہر سکے، جو آندھیوں کے سامنے انیس کا چراغ لے کے نہ جا سکے۔

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں ہوا کے سامنے چلے

اس کی نصیحت پر جس نے عمل کیا ٹھہر گیا، کہ آندھی چلی جائے پھر چراغ لے کے باہر نکلیں گے۔ اور جنہوں نے انیس کی نصیحت پر عمل نہیں کیا وہ اپنا چراغ اور خود دونوں موت سے ہمکنار ہوئے۔ اپنی شکلیں تبدیل کرتے کرتے مراحل تبدیل کرتے کرتے مفاہمت پسند مولوی جبراً ڈمی کلاس کر دیا گیا۔ مولوی گاؤں کا ساتواں کمی اور مولوی نفرت کی علامت (SYMBOL) بن گیا۔ مولوی من حیث المولوی قطع نظر اس سے کہ چند افراد کیساتھ لوگوں نے والہانہ محبت کی۔ لیکن مولوی کو ایک کمیونٹی قرار دیکر اس سرزمین کے مالک اور اس سرزمین کے سیاسی دیوتا (POLITICAL DEM) نے جس طرح یہاں (برطانیہ) تجربہ کیا کہ پادری کو کلیسا میں بھیج دیا اور پارلیمنٹ پر خود قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ بالکل اسی طرح انگریز سامراج کے دور کے تربیت یافتہ لوگوں (کالے انگریز) نے ہمارے ہاں مولوی کو مسجد میں بھیج دیا اور خود پارلیمنٹ میں بجے سجائے اور پکے پکائے پکوان پر آدھمکے۔ یہ ایک تاریخی حادثہ ہے۔ اور اس کے ساتھ افسوس ناک حادثہ یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے (میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا) دانستہ یا نادانستہ، جان بوجھ کر یا بھولپن میں دین کی تعلیم سے ایسا منہ موڑا کہ کہ خود دین سے بے بہرہ ہو گئے۔ اور اس خلا کو پُر کرنے کیلئے دین اور مولوی کو لازم و ملزوم قرار دے دیا۔ سارا دین مولوی کے سپرد کر دیا مگر اس کے وجود کو سماج میں مسترد کر دیا۔ اس کی ایجوکیشن کو اس کے کلچر اور سولائزیشن کو بھی مسترد کر دیا یہ ایسا بڑا حادثہ ہے، ایسا خوفناک حادثہ ہے کہ اب بظاہر واپسی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اللہ رب العزت مسبب الاسباب ہیں کوئی سبب پیدا فرما دیں تو اس کو قدرت حاصل ہے وہ سب سے بڑا مالک ہے۔ بہت بڑا با اختیار ہے۔

"اللہ خالق کل شیء وھو علیٰ کلی شیء وکیل"
ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اور ہر چیز کا کارساز وہ خود ہے۔

"والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیمۃ والسموات مطویت بیمینہ"
کہ زمین و آسمان لپٹے ہوئے اسکی مٹھی میں ہیں۔ اپنی طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ خود کو رب العلمین کہتا ہے رب السمٰوات والارض کہتا ہے۔ وہ اگر کوئی سبب نکال دے تو اسکو کیا مشکل ہے۔ لیکن ہم جو ایک فی دس ہزار نہیں ہیں ہماری کیا حیثیت ہے؟۔ نو کروڑ کی آبادی میں ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہمارے پاس ایسے وسائل نہیں ہیں۔ اپنی کوئی طاقت بھی نہیں ہے۔ (MAN POWER) افرادی قوت ہے نہ سرمائے کی طاقت ہے۔ نہ کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت ہے۔ جس کے بل بوتے پر ہم کوئی ایسا انقلاب برپا کر سکیں کہ جسکو اسلامی انقلاب کہا جا سکے۔ ایک

ہے آرزو اور خواہش اور اس کیلئے کاوش یہ تو مسلسل ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مختلف پہلوؤں میں، مختلف شکلوں میں مختلف اوضاع میں کام ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ کیونکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کو کسی وقت اور کسی کیلئے موقوف نہیں کیاجا سکتا۔ ہر طبقہ ہر شخص اپنے اپنے ڈھب سے کام کر رہا ہے۔ اللہ ان میں سے کسی کو کامیاب کر دے ہم راضی ہیں۔

جو بات میں کہہ رہا تھا پھیل گئی۔ مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ حادثہ ہوا کہ سیاست پر، ثقافت پر، سماجی عناصر کے تمام گوشوں پر وہ طبقہ قابض ہوتا چلا گیا کہ جس نے دین کی تعلیم سے منہ موڑ لیا تھا اور نوبت بایں جا رسید کہ ابا جان کے انتقال پر جنازے کی دعا بھی نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ جناب اقدار (VALUES) ویلیوز، ویلیوز کا ایک شور بپا ہے۔ ویلیوز کیا ہیں؟ ایک قدر اللہ دیتا ہے۔ اور ایک قدر مغربی تہذیب (کافر تہذیب) دیتی ہے۔ ویلیوز یہ بھی ہیں ویلیوز وہ بھی ہیں۔ کافرانہ اقدار کو آپ کے سامنے پیش کرنے والا طبقہ معاشرے میں سر بر آوردہ ہے۔ خوشحال اور با اختیار ہے جبکہ اسلامی اقدار پیش کرنے والا طبقہ معاشی اعتبار سے مفلوج اور مفلوک الحال ہے اسے سماج میں کمی سمجھ کر اس کی عزت نفس مجروح کی جاتی ہے۔ پھر وہ بے اختیار ہے۔ جس کے دشمن نے بڑے خوبصورت طریقے سے اس کے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے۔ کچھ ہماری کمزوریاں اور غلطیاں بھی ہیں۔ ملائکہ مقربین ہماری جماعت کا نام بھی نہیں ہے۔ آپ جیسے ہیں اور سماجی طور پر آپ سے کم درجے کے لوگ ہیں۔ مانتے ہیں کہ ہم میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن کیا ہماری خامیوں پر، ہماری دین کیلئے جو محنت ہے۔ وہ ہماری اُخروی نجات اور دنیا میں کامیابی اور سرخروئی کیلئے کافی نہیں ہے؟ ہم نے آپ سے بھیک مانگی، کشکول گدائی پھیلایا، دامن پھیلایا، دستِ سوال دراز کیا، ہتھیلی آگے کی کہ ہم نے مدرسہ چلانا ہے۔ مسجد بنانی ہے۔ یتیم، مساکین، اس معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کے لوگ وہاں دین پڑھنے آتے ہیں چندہ دیجئے ہماری یہی بات کیا کم ہے کہ ہم بے وسائل ہو کر بھی محض اللہ کی رضا کیلئے ایک محنت کر رہے ہیں۔ اور جس کو مقابلے (COMPITITION) کا شوق ہو وہ سامنے آئے۔ میرا مدرسہ چھوٹا سا ہے صرف اٹھارہ طلباء اس میں ہیں۔ وہ اپنا کاروبار مجھے دے دیں میں چلاتا ہوں۔ میرا مدرسہ وہ لے لیں، تین مہینے وہ مدرسہ چلائیں۔ جس طریقے سے میں بھیک مانگتا ہوں اللہ کے دین کیلئے وہ مانگے اور میں اس کے کاروبار کو نگ لاتا ہوں ایسی بات نہیں کہ ہمارے پاس عقل نہیں، دماغ نہیں، شعور نہیں، دو اور دو چار کا نتیجہ ہم نہیں ے سکتے یقیناً دے سکتے ہیں۔ ہمیں ہمارے اسلاف نے، ہمارے مربیوں نے، ہمارے رہنماؤں نے، ہماری نجات ا راستہ منتخب کر کے اس راستے پر ڈال دیا، یہاں میں ایک بات کہتا جاؤں کہ ۱۹۵۳ء میں میں کچھ باغی سا ہو گیا تھا، میں نے اپنے رشتہ داروں میں دیکھا کہ بڑے خوش لباس خوشحال اور (UP TO DATE) ہیں۔ ہمارے جی میں کچھ متلی ہوئی، کچھ خفتہ خواہشیں بیدار ہوئیں پر پھڑپھڑائے ہم نے کہا کہ ہم بھی اڑیں ہم اپنے پھوپھا کے پاس لاہور چلے گئے کہ گریجویشن کریں گے (COMPITITION) مقابلے کے امتحان میں بیٹھیں گے مجسٹریٹ بن جائیں گے۔ ابا جیل میں چلے گئے جب رہا ہو کر واپس تشریف لائے تو ابا سے ملنے کا چاؤ مجھے کشاں کشاں ملتان لے آیا۔ والد ماجد نے مجھے ڈانٹا ڈپٹا نہیں، پیار کیا پھر وہ ہمارے ابا تھے کوئی تھانیدار تو نہیں تھے۔ وہ گھر میں آتے تو چمن زار زندگی کھل اٹھتا تھا۔ ایک دن پیار کیا سینے سے لگایا ساتھ سلایا۔ باتیں کرتے کرتے کہنے لگے

"بیٹا۔۔۔۔! میرا جی چاہتا ہے کہ تم دین پڑھ لو۔۔۔۔ دین پڑھ لو۔۔۔ میرے چمڑے کے جوتے پہن لو۔۔۔۔ مگر بیٹا دین پڑھ لو"۔

تب تو جوانی کے نوکیلے ناخن، شباب کی رعنائی، گلگوں قبائی دل میں سمائی ہوئی تھی۔ بات سمجھ میں نہ آئی مگر بپاسِ ادب کی خاطر حکم مان لیا اور دل میں سما لیا۔ اب سمجھ میں آتا ہے جب حالات کو ہم خود دیکھتے ہیں کہ وہی آفت ہم پر ٹوٹی ہے۔

ٹوٹا ہے آج خاکِ وطن پہ وہ کوہ غم
گنگا کا دل اداس ہے پربت کی آنکھ نم

اب سمجھ میں آئی بات کہ کیا حادثہ تھا کہ باپ نے کہا کہ چمڑے کے جوتے پہن لو اور دین پڑھ لو۔ دراصل ہمیں دین کے مرگھٹ پر ذبح کر دیا گیا عصر حاضر کی تمام سماجی، ثقافتی اور تہذیبی فریب کاریوں سے ایک دم کٹ کر دیا۔ ہمیں اس بھٹی میں دھکیل دیا گیا جس میں بجز جلنے کے اور کچھ نہیں۔۔۔ الحمدللہ۔۔۔ اللہ کا شکر ہے ہزار شکر۔۔۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جزائے خیر دے۔ کہ ہمیں دین کے سچے اور صاف راستے پر گامزن کر گئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ اپنی زندگی میں تبدیلی لائے۔ اور وہ دین جو آپکی اور ہماری مشترکہ وراثت ہے اسکو قبول فرمائیے۔ محض محمد اسلم، محمد شبیر، فقیر محمد وغیرہ ان ناموں کے رکھنے سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک بوتل پر لگے ہوئے لیبل کی روشنی کی طرح بوتل کے اندر بھی وہی کچھ نہ ہو۔ جو اوپر لکھا ہے۔ تبدیلی نہیں آئے گی۔ روح افزا لکھا ہے تو شربت روح افزا ہو روح فرسا نہ ہو۔

بات بہت دور نکل گئی۔ آج کی گفتگو کا مقصد اور محور یہ تھا کہ اسلام جیسے کامل نظام زندگی رکھنے والا مسلمان "جمہوریت کو قبول کر لے گا تو ذلیل و رسوا ہوگا کیونکہ یہ کفار و مشرکین کا نظام ریاست و سیاست ہے۔ اور جس قوم کی زندگی میں بیک وقت دو نظام اکٹھے ہو جائیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتی اور مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل اسلام کو زد کرنے کے مترادف ہے۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اجازت چاہتا ہوں۔ پھر موقع ملا تو تفصیل کے ساتھ آپ کو حالِ دل سناؤں گا۔

ان شاء اللہ

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَلِیٍّ۔ رضی اللہ عنہ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سب الانبیاء؟ قتل۔! ومن سب اصحابی؟ جلد۔!

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہے؟ اُس کو قتل کر دیا جائے! اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے۔؟ اُس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے۔!